96   ALAQ   Verses 19

سوره علق

مکۂ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں انیس آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا ربط اور مناسبت اس طرح ہے کہ ماقبل سورت میں ارشاد ہوا تھا:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا" اور اس سورت شریفہ میں ارشاد ہو رہا ہے:۔ خلق الانسان من علق۔ اسی خدا نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا" تخلیق انسان کا بیان پہلی سورت میں بھی ہوا تھا۔ یہاں بھی اس کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ ہر چیز کی چار علتیں ہوتی ہیں جن کو " علل اربعہ" کہتے ہیں۔ علت فاعلی کہ یہ چیز کس نے بنائی؟ علت صوری کہ اس کو کون سی صورت دی؟ علت مادی کہ کس چیز سے بنائی؟ اور علت غائی کہ کس لئے بنائی؟ علت غائی کا بیان وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون میں گزر چکا ہے

جس میں اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ میں نے جن و انس کو محض میری عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" اور علت صوری کا بیان لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم میں گزرا تھا کہ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔" اب یہاں علت مادی کا بیان فرمایا جا رہا ہے: خلق الانسان من علق۔ اللہ نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔" رہی علت فاعلی کہ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ مذکورہ تینوں آیات کریمہ میں موجود ہے: خلقتُ۔ میں نے پیدا کیا۔" خلقنا۔ ہم نے پیدا کیا۔" خلق۔ اسی خدا نے پیدا کیا۔" اس طرح تخلیق انسان کے پورے علل اربعہ بیان ہو چکے۔

دوسرا ربط دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورت ماقبل میں انسان کے دو گروہ کفار منکرین اور مومنین صالحین کا بیان، ان کا باہمی فرق، اور دار آخرت میں ہر ایک کا مقام اور احوال، اجمالاً مذکور ہوا تھا۔ اب اس سورت شریفہ میں ان کا بیان کسی قدر تفصیل کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے۔ گویا یہ سورت شریفہ سورت ماقبل کی شرح اور اس کا تکملہ ہے۔ اجمال اور تفصیل میں جو مناسبت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

قرآن کریم کی آیات جو سب سے پہلے نازل ہوئیں مفسرین کرام بلکہ تمام صحابہؓ

وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ ترتیبِ قرآن کریم جو لوحِ محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے اس کے لحاظ سے سورۂ علق کا مقام والتین والزیتون کے بعد ہے لیکن نزول کے اعتبار سے سورۂ علق کی ابتدائی آیاتِ کریمہ مالم یعلم تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ چنانچہ ام المومنین سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ اول ما نزل من القرآن اقرأ باسم ربک الذی خلق (ابن جریر، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی بروایت صحیحہ) سب سے پہلے جو قرآن کریم نازل ہوا وہ اقرأ باسم ربک الذی خلق تھا۔" حضرت ابو موسیٰ اشعری رض فرماتے ہیں:۔ کانت اقرأ باسم ربک اول سورۃ انزلت علی محمد۔ (ابن ابی شیبہ، ابن الضریس، ابن الانباری، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، ابونعیم) سب سے پہلی سورت شریفہ جو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ اقرأ باسم ربک (کی سورت) تھی۔" اسی وجہ سے اس سورت شریفہ کو سورۂ اقرأ بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں:۔ اول ما نزل من القرآن بمکۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ (ابن مردویہ من طرق) مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے قرآن کریم کا جو حصہ نازل ہوا وہ اقرأ باسم ربک الذی خلق تھا۔" حضرت محمد بن عباد

مخزومی متعدد علماء سے روایت کرتے ہیں:۔ کان اوّل ما انزل اللہ علی نبیّہ اقرأ باسم ربّک الی مالم یعلم فقالوا ھذا صدرھا الذی انزل یوم حراء ثم انزل اللہ آخرھا بعد ذلک ما شاء اللہ۔ (بیہقی)

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم و افخم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے جو نازل فرمایا وہ اقرأ باسم ربّک سے مالم یعلم تک تھا۔ تمام علماء کرام نے یہی فرمایا کہ اس سورت شریفہ کا بس اسی قدر حصہ وہ تھا جو واقعہ حراء کے دن نازل فرمایا گیا پھر اس کا باقی حصہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے بعد جب اللہ سبحانہ کو منظور ہوا نازل فرمایا۔

نبوت کا آغاز رؤیا صالحہ سے

حرا کا واقعہ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں:۔ اوّل ما بدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لایریٰ رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح ثم حبّب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنّث فیہ وھو التعبّد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اھلہ ویتزوّد لذلک ثم یرجع الی خدیجۃ حتی جاءہ الحق وھو فی غار حراء۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی نبوت و رسالت کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ (جب آپ کی عمر شریف کے چالیس سال ربیع الاول میں تکمیل کو پہنچے تو) آپ کو خواب میں "رویائے صالحہ" (اچھے اچھے اور سچے سچے خواب) دکھائی دینے لگے چنانچہ (رات کو) خواب میں جو کچھ ملاحظہ فرماتے (صبح کو) روز روشن کی طرح کھلے اور واضح واقعات نمودار ہوتے۔ پھر خلوت گزینی آپ کا محبوب مشغلہ بن گئی چنانچہ آپ غار حرا میں (جو مکہ معظمہ سے کچھ ہی دور واقع ہے) خلوت گزیں ہونے لگے۔ وہاں تشریف لے جاکر اس میں کئی کئی راتوں تک مشغول عبادت رہا کرتے (دنوں دنوں) گھر کا رخ بھی نہ فرماتے۔ ہاں اس مدت کے لئے کچھ توشہ ساتھ ہوتا پھر (جب وہ ختم ہوجاتا تو) ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا عنا کے پاس لوٹ آتے۔ پھر اسی قدر توشہ ساتھ لے جاتے۔ (آپ کا یہی سلسلہ چھ مہینے تک جاری رہا۔ رمضان شریف کی ۲۷ تاریخ تھی اور آپ غار حراہی میں رونق افروز تھے کہ آپ کے ہاں حق (کا پیام بلکہ حق ہی) آپہنچا" یعنی حقیقۃً نبوت سے سرفراز ہوئے۔

جبرئیل سے ملاقات اور آیات اقراء کی تلقین	فجاءہ الملك فقال اقرأ قلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد

ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتیٰ بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم۔ اتنے میں آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اور کہا کہ پڑھو حضور انور فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں پڑھتا نہیں ہوں۔ (کیونکہ اب تک آپ کو کسی نے کچھ بھی پڑھایا نہ تھا) حضور فرماتے ہیں یہ سنتے ہی بس اس (فرشتہ) نے مجھے پکڑ کر ایسا دبایا کہ حد درجہ مشقت محسوس ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ پڑھو۔ پھر میں نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ بس اس نے مجھے پکڑا اور دوبارہ بھی ایسا دبایا کہ میں بڑی محنت میں پڑ گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ پڑھو۔ میں نے یہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یعنی نہ صرف میں بلکہ میرے ملک کے لوگ عام طور پر پڑھنے والے نہیں ہیں) یا ما انا بقارئ کے یہ معنی کہ آخر پڑھوں تو کیا پڑھوں؟) اس پر اس نے پھر مجھے پکڑ لیا اور تیسری دفعہ بھی ایسا دبایا کہ میں نے بڑی محنت و مشقت پائی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا (یوں پڑھئے):—

اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور مطلب ضمن تفسیر آگے آرہا ہے)۔

غار حرا سے واپسی اور حضرت خدیجہؓ کا دلاسا

فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجف فوادہ فدخل على خديجة بنت خويلد فقال زملونى زملونى فزملوه حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسى فقالت خديجة كلا والله ما يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق پھر آپ ان آیات کریمہ (کا تحفہ) لئے ہوئے (غار حرا سے کاشانۂ مبارک کی طرف) لوٹ آئے ایسی حالت میں کہ آپ کا قلب مبارک دھڑک رہا تھا۔ سیدھے حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا مجھے چادر اڑھادو مجھ پر لحاف ڈال دو۔ چنانچہ حسب تعمیل کی گئی۔ تاآنکہ (آپ کو پوری طرح سکون حاصل ہوا اور) خوف وہراس کی کیفیت جاتی رہی۔ حضورؐ اکرم نے اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو سارا واقعہ (غار حرا کا) کاسنایا اور فرمانے لگے کہ مجھے تو جان کے

لالے پڑ گئے تھے۔ (اور ایسا معلوم ہوا کہ میری جان پر ہی آ پڑی ہے) یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے دلاسا دیا۔ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کبھی ایسا معاملہ نہیں فرمائے گا۔ ماشاء اللہ سے آپ تو (اہل قرابت سے) صلہ رحمی فرماتے ہیں اور (دوسروں کی خاطر) خود پر ہر طرح کی مشقت برداشت کیا کرتے ہیں نا داروں کو ذریعہ معاش سے لگا دیتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کی مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ اور آفت زدہ ستم رسیدہ لوگوں کی حقیقی امداد و اعانت فرماتے رہتے ہیں۔" یعنی جن کا شعار یہ ہو کیونکر ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ اچانک ان کے ساتھ ایسا سلوک فرمائے کہ لوگوں میں چرچا ہونے لگے کہ فلاں کا دفعتاً انتقال ہو گیا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ کا ورقہ کے پاس لے جانا

فانطلقت به خديجةؓ حتى اتت ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزى ابن عم خديجةؓ وكان امرأ تنصر في الجاهلية وكان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية ما شاء الله ان يكتب وكان شيخا كبيرا قد عمي فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے ہاں لائیں جو

حضرت خدیجہؓ کے ابن عم تھے۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں (اس دور کے ناشائستہ حالات سے بیزار ہوکر) نصرانی دین اختیار کرچکے تھے اور عبرانی زبان میں کتابیں لکھا کرتے تھے۔ اور انجیل مقدس کے حوالوں سے عبرانی زبان میں وہ مضامین لکھا کرتے تھے جو اللہ سبحانہ کو منظور ہوتے۔ وہ اس وقت تک بہت بوڑھے ہوچکے تھے جس کے باعث ان کی بینائی بھی جا چکی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے فرمایا۔ اے میرے عمزاد برادر! آپ اپنے بھتیجے کا واقعہ سن لیجئے" عرب کا دستور تھا کہ محبت سے ہم عمروں کو بھائی اور کم عمر لوگوں کو بھتیجا کہتے تھے۔ یہاں حقیقی بھتیجے مراد نہیں۔

حضور اکرم اور ورقہ بن نوفل کا مکالمہ

فقال لہ ورقۃ یا ابن اخی ماذا تری فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر ما رأی فقال لہ ورقۃ ھذا الناموس الذی انزل اللّٰہ علی موسیٰ یا لیتنی اکون فیھا جذعا یا لیتنی اکون فیھا اذ یخرجك قومك فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی ھم قال نعم لم یأت رجل قط بمثل ما جئت بہ الا عودی وان یدرکنی یومك انصرك نصرا موزرا ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی وفتر الوحی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورقہ نے

دریافت کیا۔ بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟ حضور نے اپنے چشم دید واقعہ کو بیان فرمایا۔ یہ سنتے ہی آپ سے ورقہ نے کہا یہ (فرشتہ تو) وہی ناموس اکبر (واقفِ اسرار الٰہی) ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بھی اتارا تھا۔ (یعنی یہ وہی جبرئیل علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وحی لایا کرتے تھے) کاش! میں اس زمانہ میں تنومند ہوتا اور اے کاش! میں ان دنوں میں کم از کم زندہ ہی رہتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو وطن سے بے وطن کرتی۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ لوگ مجھکو جلاوطن بھی کریں گے؟ انھوں نے کہا ہاں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ جیسی وحی آپ لا رہے ہیں آپ سے پیشتر بھی جن جن پر ایسی گزری ان کے ساتھ ایسی ہی عداوت اور دشمنی کی گئی ہے۔ اور اگر مجھ کو آپ کا وہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہو تو میں بالضرور آپ کے شایان شان مدد کروں گا۔ پھر کچھ ہی دن گزرنے پائے تھے کہ ورقہ نے وفات پائی۔ اور وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ سورۂ والضحیٰ میں فترت وحی کا جو بیان گزرچکا ہے غالباً اس میں اسی زمانۂ التواء وحی کی طرف ایما فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ورقہ بن نوفل کی وفات تفسیر روح البیان میں ہے: وتوفی ورقة فی هذه الفترة ودفن بالحجون وقد آمن به علیه السلام وصدقه

قبل الدعوة التی ھی الرسالۃ ولذا قال علیہ الصلاۃ والسلام لقد رأیتہ فی الجنۃ وعلیہ ثیاب الحریر۔ اسی زمانہ فترت وحی میں ورقہ بن نوفل نے وفات پائی اور (مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان میں جس کو) حجون کہتے ہیں دفن کیے گئے۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اور دعوت اسلام سے پیشتر ہی جو لوازم رسالت سے ہے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کر چکے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی نسبت فرمایا کہ "میں نے ان کو جنت میں دیکھا کہ وہ لباس حریر پہنے ہوئے ہیں" جو جنتیوں کا مخصوص لباس ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

سورۂ مدثر کا نزول و اجرائے سلسلۂ وحی

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری فترت وحی کے سلسلۂ بیان میں فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ بینا انا امشی اذ سمعت صوتا من السماء فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراء جالس علی کرسی بین السماء والارض فرعبت منہ فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ یا ایھا المدثر قم فانذر وربك فکبر وثیابك فطھر والرجز فاھجر فحمی الوحی وتتابع۔ (عبد الرزاق، امام احمد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن الانباری)

ابن مردویہ بیہقی) میں ایک دن) چل رہا تھا اسی اثناء میں آسمان کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے اپنی نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کی درمیانی فضا میں کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ پھر میں اس سے مرعوب ہوگیا اور وہیں سے واپس ہوا اور (گھر آکر) کہنے لگا:۔ زملونی زملونی مجھ پر چادر اڑھادو، لحاف ڈال دو" پھر اللہ سبحانہٗ نے سورۂ مدّثر کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے لحاف اوڑھنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے) ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی کبریائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور سُستی کو پاس نہ آنے دو" پھر اس کے بعد متواتر وحی آنے لگی" اس طرح نزول وحی کا سلسلہ تین سال کے بعد جاری ہوگیا۔

واقعہ حرا کی تفصیل ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ نے یہ بھی فرمایا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکف هو وخدیجة شهرا فوافق ذلك رمضان فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسمع السلام علیکم قالت فظننت انه فجاءة الجن فقال ابشروا فان السلام خیر ثم رأی یوما آخر جبریل علی الشمس له جناح بالمشرق

وجناح بالمغرب قال فهبت منه فانطلق یرید اھلہ فاذا ھو بجبریل بینہ وبین الباب قال فکلمنی حتی انست منہ ثم وعدنی موعدا فجئت لموعدہ واحتبس علی جبریل۔ حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مہینے کے لئے اعتکاف کیا وہ مہینہ اتفاق سے رمضان شریف میں ختم ہوا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم اعتکاف پر باہر برآمد ہوئے تو السلام علیکم کی آواز سنی۔ حضرت خدیجہ کو گمان ہوا کہ یہ کسی جن کی آواز ہے۔ حضور نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ کیونکہ سلام خیر کا پیغام ہے۔ بعد کو حضرت جبرئیل اپنی اصل شکل میں حضور اکرم کے سامنے آئے تب معلوم ہو گیا کہ السلام علیکم کہنے والے حضرت جبرئیل تھے۔ اسی سلسلہ میں تفصیل سے شق صدر مبارک وغیرہ کا ذکر بھی منقول ہے۔ پھر جبرئیل نے مجھ سے کہا:۔ اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے۔ حالانکہ اب تک میں نے کوئی کتاب بھی پڑھی نہ تھی۔ پھر مجھے سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات مالم یعلم تک پڑھا دیں۔ حضور انور فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے میں کسی پڑھائی ہوئی چیز کو بھولنے نہ پایا۔"

راستہ میں شجر و حجر کا سلام کرنا	حضورؐ فرماتے ہیں پھر میں نے اپنے مکان کا رُخ کیا تو راستہ میں کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ ملا جس نے

اس طرح نہ پکارا ہو۔ السلام علیک یا رسول اللہ! یعنی ہر ایک پتھر اور ہر ایک درخت مجھے سلام کر رہا تھا کہ خدا کے اے پیارے رسول! آپ پر سلام ہو۔ تا آنکہ میں خدیجہؓ کے پاس آیا انھوں نے بھی مجھ سے اس طرح خطاب کیا: السلام علیک یا رسول اللہ! خدا کے اے پیارے رسول! آپ کو اللہ سلامت بکرامت رکھے۔" صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ آغاز بعثت شریف کے یہ چند حالات تھے جو مختصراً عرض کئے گئے۔ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے"

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ 96-2

مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ 96-3

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ پڑھئے نام سے اپنے رب کے جس نے 96-4

پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے پڑھئے اور آپ کا رب بے حد

کرم والا ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا انسان کو وہ سب کچھ

جو وہ نہ جانتا تھا۔"

اِقْرَأْ کی تفسیر یعنی حضور سیدنا نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفداہ ابی وامی کو بارگاہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ سے رب سے پہلی دفعہ یوں مخاطب فرمایا جا رہا ہے کہ اِقْرَأْ (پڑھو)۔" سرزمین عرب اور اس کا صدر مقام اور مرکز "مکہ" جہاں حضور انور کی ولادت باسعادت عمل میں آئی تھی۔ بچپن اور جوانی کا زمانہ گزر چکا تھا اور چالیس سال کی عمر شریف ہو چکی تھی۔ متاہلانہ زندگی کا آغاز ہو کر بھی پندرہ سال کا عرصہ گزر گیا تھا اور آپ صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے۔ اس پوری مدت میں پڑھنے لکھنے کا کبھی بھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ ملک میں جاہلیت کا صدیوں سے دور دورہ تھا اس ماحول میں پڑھنے لکھنے کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ پڑھنے کا نام سنتے ہی جو حیرانی ہو سکتی تھی آپ کو سخت حیرانی دامنگیر تھی۔ اس دشوار مرحلہ کو یوں آسان فرمایا جا رہا ہے کہ باسم ربک۔ اپنے پروردگار کے نام سے" اور تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہو وہ کیسا ہی مشکل ہو اگر اس کو پروردگار کے نام سے شروع کیا جائے منظور رب ہو تو وہ مشکل سے مشکل تر کام آسان ہو جائے گا اور پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ اس حقیقت کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

بعد میں صاف و صریح طور پر بیان فرما دیا :۔ کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللّٰہ فھو ابتر۔ ہر وہ کام جس سے تعلق خاطر ہو اس کو بسم اللّٰہ سے شروع نہ کیا جائے تو وہ ناقص اور ادھورا ہی رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نام میں ہی ایسی برکت ہے کہ اس کے لینے سے تمام رکاوٹیں دور ہوتیں اور اس کام کے سارے اسباب فراہم ہوتے اور اس کو کرنے کا شوق اور اس سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ اس کام کو آسان بنا دیتا ہے۔ جس کے نام میں یہ برکت ہے تو اس کی ذات کیسی بابرکت ہوگی سبحان اللہ العظیم۔

باسم ربک کی تفسیر یہاں خطاب فرمایا گیا :۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے" اور یوں خطاب نہ ہوا :۔ اِقْرَأْ بِسْمِ اللّٰهِ۔ اللہ کا نام لے کر پڑھئے" اس میں یہ حکمت ہے کہ اللّٰہ اسم ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ اقرأ کا پہلا حکم دیا جانا ہی موجب حیرت تھا اگر یہاں اللہ اسم ذات مذکور ہوتا تو حیرت در حیرت کا موجب ہوتا۔ اس لئے بجائے اسم ذات کے صفت بیان ہوئی تاکہ صفت سے موصوف کی شناخت و معرفت بسہولت حاصل ہو۔ پھر صفات باری بھی بکثرت تھے از انجملہ صفت ربوبیت کا انتخاب فرمایا گیا جو سارے عالم میں اظہر من الشمس ہے

اور اسی کائنات میں ہر دم و ہر لحظہ جاری و ساری ہے۔ ربوبیت میں بھی بڑی وسعت تھی اس لئے تمام کائنات سے قطع نظر کرکے اور باسم رب العالمین کہنے کی جگہ مخاطب کی ذات کے ساتھ اس کی اضافت کی گئی اور ارشاد ہوا:۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے" کیونکہ تمامی علوم میں انسان کو اپنی ذات کا علم' علم حضوری ہے جو سب سے پہلے حاصل ہوتا ہے استاذ محترم حضرت علامہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نہیں جانتے تھے جہاں میں کسی کو　　مگر ایک اپنے کو ہم پہلے پہلے

الَّذِیْ خَلَقَ کی تفسیر پھر مزید معرفت کے لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ۔ جس نے (تمام کائنات کو) پیدا کیا۔ یعنی پڑھئے نام لیکر اپنے پروردگار کا جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا" عدم سے وجود میں لایا۔ اور نہ صرف وجود بخشا بلکہ ہر ہر ذرۂ کائنات کی پرورش اور تربیت فرماتا جا رہا ہے۔ اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق درجہ کمال پر پہنچا رہا ہے۔ اسی طرح آپ کو بھی اے حبیب کریم! آپ کی استعداد تام اور جوہر بالا کلام کے مطابق علم اولین و آخرین بلکہ غیب و شہادت کے اسرار و انوار سے مالامال فرمائے گا۔

چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ربانی ہوا:۔ وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ اور سکھا دیا آپ کو (اللہ سبحانہ نے) وہ سب کچھ جس کو آپ نہ جانتے تھے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا ہی فضل ہے " نیز خود آپ نے اس کا اظہار بطور تحدیث نعمت کے، نہ کہ بطور عجب وافتخار کے فرمایا:۔ اوتیت علم الاولین والآخرین۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم سے سرافراز فرمایا گیا ہے " احادیث شریفہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آپ نے آفرینش عالم سے پہلے کے اسرار امت کے آگے کھول دیئے۔ اور قیامت اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام احوال سنا دیئے۔ نیز اس دوران میں جو جو اہم واقعات درپیش ہوئے یا ہونے والے ہیں ان سے پوری طرح باخبر فرما دیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

من علق کی تفسیر خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ پیدا کیا انسان کو منجمد خون سے " جنین جب تک منجمد خون کی صورت میں رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی قسم کی حس یا حرکت تک نہیں ہوتی۔ شعور اور علم کا کیا ذکر؟ لیکن اسی منجمد خون (علقہ) کی پرورش اور تربیت کچھ اس طرح فرمائی جاتی ہے کہ وہ علقہ سے مضغہ اور مضغہ میں ہڈیاں بنتی، اُن پر گوشت چڑھا جاتا اور اعضا

تراشے جاتے، پھر ان میں روح پھونکی جاتی ہے تو جنین حرکت کرنے لگ جاتا ہے
اب اس کی ماں کی زندگی جنین کی حرکت پر منحصر ہو جاتی ہے۔ اگر وہ باقاعدہ
حرکت کرتا رہے تو ماں کی بھی خیر ہے ورنہ اس بیچاری کی زندگی ہی خطرے میں
ہے۔ پھر اس کشمکش سے اس کو نجات دے کر جنین کو باہر لایا جاتا ہے تو اس کے
متعلقین میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی اور ہر طرف سے تہنیت و مبارک باد کے
پیام آنے لگتے ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمائی جاتی بلکہ نومولود کی زندگی کا
یہاں سے دوسرا دور شروع ہوتا ہے جو پہلے دور سے بالکل مختلف رہتا ہے
پھر رضاعت وطفولیت وغیرہ کے ادوار ختم کر کے آگے ترقی کی راہ میں گامزن
ہوتا ہے تو اس پر علوم وفنون کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور وہ اپنی
صلاحیت واستعداد کے مطابق، تحصیل علوم وفنون کے لئے شبانہ روز محنت
و ریاضت کرتا اور درجۂ کمال حاصل کر لیتا ہے۔

فعل خلق کی وجہ تخصیص افعال الٰہیہ بے شمار ہیں از انجملہ فعل خلق کا بیان
تاکید کے ساتھ یہاں اس لئے فرمایا گیا کہ یہ وحی اولین ہے اوائل الامر ایسی کوئی
چیز نہیں بیان کی جانی چاہئے جس سے مخاطب اور سامع کو اختلاف ہو
بلکہ اس کے نزدیک معروف ومسلم ہو۔ مشرکین عرب نے اپنے زعم میں رب واحد

جگہ سینکڑوں ارباب بنا رکھے تھے اور قدرت کے بہت سارے کام ان کے تفویض کر رکھے تھے۔ کوئی قحط لانے والا رب تھا اور کوئی آندھی لانے والا' کوئی روزی دینے والا' تو کوئی بیماری لانے والا' چنانچہ آج تک ہندوستان وغیرہ میں جہاں مشرکین رہتے بستے ہیں ان خود ساختہ فرضی دیو اور دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے لیکن فعل خلق یعنی پیدائش اور آفرینش کے بارے میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔ ولئن سالتھم من خلق السماوات والارض لیقولن اللہ۔ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بالضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا۔" اس لئے یہاں فعل خلق کا ذکر فرمایا گیا تاکہ کسی کو اختلاف نہ رہے کہ اللہ جس نے تمام کائنات پیدا کی ہے یہ اسی کا کلام ہے اور اسی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔

ربک الاکرم کی تفسیر اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "پڑھئے در حالیکہ آپ کا رب بیحد کرم والا ہے جس نے سکھایا قلم سے' سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جس کی اس کو ضرورت تھی جس کو وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔" انسان پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان میں

کوئی کسان ہے جو زمین میں ایک دانہ ڈالتا ہے تو اس سے ایک پودا برآمد ہوتا ہے
آگے چل کر اس سے سات خوشے نکلتے اور ہر خوشے میں سو سو دانے ہوتے ہیں گویا
وہ ایک دانہ دیتا اور سات سو دانے لیتا ہے۔ یہ رب کریم کی کریمی نہیں تو اور کیا
ہے؟ کوئی صناع ہے مٹی، پتھر، لکڑی، لوہا، پیتل، تانبہ، وغیرہ میں سے کوئی چیز
لیتا جس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس کی مالیت کا کوئی اعتبار۔ مگر صناع ایسی ہی
معمولی چیزوں سے ایسی ایسی نادر حسین۔ کارآمد چیزیں تیار کرتا ہے جن کی قیمت کا
اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ عقل حیران رہتی ہے کہ اس نے مٹی، پتھر کو کیا سے کیا
کر دیا؟ کیا یہ رب کریم کی کریمی نہیں؟ کوئی تاجر ہے جس کو تجارتی اشیاء کے
اُگانے یا بنانے میں کوئی دخل نہیں۔ غلہ ہے تو اس کو کسی کسان نے محنت
کر کے حاصل کیا ہوگا۔ یا کپڑا وغیرہ ہے تو اس کو کسی جلاہے نے بُن کر تیار
کیا ہوگا۔ کسان کے پاس غلہ کی ڈھیریں لگی ہوں گی اور صناع کے ہاں مصنوعات
کے انبار ہوں گے مگر کس مپرسی کے عالم میں پڑے تھے۔ تاجر پہنچا اور اس کی
منہ مانگی قیمت ادا کر کے حاصل کیا۔ اور ان کو ایسی جگہ پہنچایا جہاں ان چیزوں
کی پیداوار نہیں مگر ضرورت سے انکار نہیں۔ سب کو ان چیزوں کی حاجت ہے
اب وہ حاجتمندوں سے نہ صرف اپنی دی ہوئی قیمت اور حمل و نقل کی اجرت ہی

طلب کرتا ہے بلکہ اپنی ذاتی محنت، پھر اس پر خاطر خواہ منفعت بھی حاصل کرتا ہے اور اس میں تاجر کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے:۔ تسعۃ اعشار الرزق فی التجارۃ۔ (فرض کرو کہ انسانی روزی کے دس حصے ہیں ان میں سے) روزی کے نو حصے تجارت میں ہیں۔" یہ بھی خدائے کریم کی شان کریمی ہے کہ تاجر کسی تیار مال سے جس کے فراہم کرنے میں اس کو کچھ بھی محنت و مشقت اٹھانی نہ پڑی تھی بلکہ دوسروں کی محنت و مشقت سے حاصل شدہ مال کو صرف ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر کے دنیا بھر کی روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے حاصل کر لیتا ہے۔ اہم ذرائع معاش یہی ہیں۔ رہی ملازمت وہ تو غلامی ہے۔

اقرأ کی تفسیر یہ سب سہی مگر پڑھنا لکھنا یہ صفت ہی کچھ اور ہے اور یہ سب سے بالاتر ہے۔ اسی لئے بار بار حکم ہو رہا ہے:۔ اقرأ، اقرأ پڑھئے پڑھئے۔" پڑھنے ہی سے علم حاصل ہوتا ہے اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی سے اسرار قدرت کھلتے ہیں اور اسی سے انسان کی قدر و منزلت بڑھتی ہے۔ جس کا علم زیادہ اس کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو برتری حاصل ہوئی اور آپ مسجود ملائک ہوئے وہ

علم آدم الاسماء کلّھا کی برکت تھی۔ پھر علوم بھی بہت ہیں۔ ایک علم کی فضیلت دوسرے علم پر اس کے معلوم کے لحاظ سے ہے۔ زراعت کا علم ہے۔ تجارت کا علم ہے اور صنعت کا بھی ایک علم ہے۔ لیکن علم دین جو الٰہیات (کتاب وسنت اور تفقہ کا مجموعہ ہے) اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔ کیوں کہ علم زراعت سے غلہ وغیرہ کے معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اور علم صنعت سے مصنوعات معلوم ہوتے ہیں اور تجارت سے مزروعات ومصنوعات کی کھپت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر کتاب اللہ اور سنت نبوی اور تفقہ فی الدین سے اللہ سبحانہ کی ذات وصفات اور افعال الٰہیہ کا علم حاصل ہوتا ہے تو اس کا معلوم ذات حق اور اس کے صفات وافعال ٹھہرے' ظاہر ہے کہ خالق کائنات کو جو فضیلت تمام کائنات پر ہے کوئی علم اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ اور اسی کی اہمیت کے مدنظر' اللہ سبحانہ نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ ایسا اہتمام دیگر علوم کی نسبت نہیں فرمایا گیا۔

علّم بالقلم کی تفسیر علم حاصل ہوتا ہے کلام سے۔ اور کلام یعنی بات' زبان سے نکلتی ہے تو فضا میں شامل ہوجاتی ہے۔ اس کو قابو میں لانا اور اس کا تحفظ

قلم سے ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا: علّم بالقلم۔ قلم کے ذریعہ تعلیم دی"
قلم ہی ایسا ذریعہ ہے کہ فضا اور ہوا میں مل جانے والی بات کو قید کرتا بہت میں
لاتا اور اس کو فنا سے بچا کر بقا کی دولت بخشتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں
القلم نعمة من الله عظيمة لولا القلم لم يقم دين ولم يصلح عيش
(عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) "قلم اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بڑی عظیم الشان نعمت
ہے۔ اگر قلم نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہ سکتا اور نہ زندگی ہی درست رہ سکتی"
قلم ہی کی برکت ہے کہ آسمانی کتاب قرآن کریم چودہ سو سال گزر جانے پر بھی
مسلمانوں کے پاس محفوظ و مصئون ہے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے احادیث شریفہ، صحابۂ کرام کے آثار، ائمۂ عظام کے اقوال، بزرگوں کی
نصیحتیں، فقہی مسائل، علماء کے فتاوی، سلف صالحین کے احوال ہم تک پہنچ سکے
ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جس قدر علوم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اسی نعمت عظمیٰ کی
افادیت کے ممنون ہیں۔

سب سے پہلے قلم پیدا ہوا حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ حضور
امی لقبی فداہ امی وابی نے ارشاد فرمایا:۔ ان اول ما خلق الله
القلم فقال له اكتب قال ما اكتب قال اكتب القدر فكتب ما كان

وماھو کائن الی الابد (ترمذی شریف) یقین جانو کہ سب سے پہلے اللہ سبحانہ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ قلم تھا۔ چنانچہ اس کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا کہ لکھ۔ اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ ارشاد باری ہوا کہ تمام کائنات کی تقدیریں لکھ دے۔ چنانچہ اس نے ازل میں جو کچھ ہوا اور ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ لکھ ڈالا۔" حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی امی، فداہ نفسی ثم ابی و امی نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السماوات والارض بخمسین الف سنة قال و عرشہ علی الماء۔ (مسلم شریف) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کی آفرینش سے بھی پچاس ہزار سال قبل ہی لکھ دی ہیں۔ اس وقت عرش اعظم پانی پر تھا۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اوّل ما خلق اللہ القلم فاخذہ بیمینہ وکلتا یدیہ یمین وخلق النون وھی الدوات وخلق اللوح فکتب فیہ ثم خلق السماوات فکتب ما یکون من حینئذ فی الدنیا الی ان تکون الساعة من خلق مخلوق او عمل معمول برّ او فجور وکل رزق حلال او حرام رطب او یابس۔ (ابن ابی شیبہ ابن المنذر) اللہ سبحانہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا (جو بے حد برکات والا ہے) اور

اس کے دونوں ہاتھ بابرکت ہیں۔ اس کے ساتھ نٓ یعنی دوات کو پیدا کیا (نٓ کی شکل بھی دوات کی سی ہے) ساتھ ہی لوح اعظم کو پیدا کیا (جس کو لوح محفوظ کہتے ہیں اس میں ہر لکھی ہوئی چیز محفوظ ہے) پھر اس میں لکھ دیا۔ پھر آسمانوں کو پیدا کیا۔ پھر اس وقت سے ساعت قیامت آنے تک جو جو باتیں آنے والی تھیں ان سب کو لکھا۔ مخلوقات کی آفرینش' اور عالمین کے عمل' نیک ہوں کہ بد اور ہر ایک کی روزی' حلال ہو یا حرام' تر ہو یا خشک' (سبھی چیزیں لکھ دی گئیں جو لوح اعظم میں محفوظ ہیں)

علّم الانسان کی تفسیر | عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جس کو وہ کچھ بھی جانتا نہ تھا۔" یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ جس رب کریم نے علقہ سے انسان کو پیدا کیا اور "قلم" اور "قراءۃ" کے ذریعہ لا یعلم انسان کو ہر چیز کی تعلیم دی۔ اس کریم اکرم کی شان سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ جن کو قلم اور قراءۃ سے اب تک کچھ بھی واسطہ نہ رہا ہو ان کو بغیر وساطت قلم و قراءۃ کے اپنی حکمۃ بالغہ سے وہ سب کچھ سکھا دے جہاں قلم اور قراءۃ سے علم حاصل کرنے والوں کی رسائی نہ ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملت بشست

یعنی جس یتیم بلکہ دُرِّ یتیم (روحی فداہ) کو کسی کے ہاں کچھ بھی پڑھنے کا اتفاق

نہ ہوا تھا۔ رب کریم اکرم کی شان کریمی دیکھو کہ ادیان عالم اور ان میں بھی مشہور و معروف دین یہود و نصاریٰ کے پیرواں و متبعین کو ان کے لائے ہوئے دین اسلام کی فطری تعلیمات کے آگے اپنے تمام کتب خانوں کو دھوڈالنا پڑا۔ سارے ادیان منسوخ ہوچکے صرف دین فطرت یعنی اسلام ہی عند اللہ محبوب، مقبول و برقرار رہا جو تا قیام قیامت باقی رہیگا۔ دیگر ادیان اس کے آگے منسوخ قرار پاگئے۔

ارباب حقیقت کا ارشاد ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ قلم سے ذات اقدس حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مراد ہے جس کی تائید حضور اکرم کی حدیث شریف اول ما خلق اللہ نوری سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔" نیز یہ حدیث شریف بھی ہے:۔ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔ میں نبی تھا اور آدمؑ ابھی آب و گل کے مراحل طے کر رہے تھے"۔ یہ بھی ارشاد اقدس ہوا:۔ انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری۔ میں اللہ سبحانہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔" ان تمام ارشادات عالیہ کی رو سے جب حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام کائنات پر تقدم اور شرف حاصل ہے تو قلم اعلیٰ ہو یا لوح محفوظ، آپ کے نور سے ہیں۔ اب خیال کیجئے کہ قلم اعلیٰ جن کا مظہر ہو اور لوح محفوظ جن کا مصحف اور دن رات پیش نظر ہو

ایسی ذات ستودہ صفات کو رسمی قراءت اور اصطلاحی خطوط و نقوش کتابت کی کب محتاج ہو سکتی ہے؟ یہ بھی اللہ سبحانہ کی شان کریمی ہے کہ حضرت امی لقبی فداہ امی وابی کو قراءت اور کتابت کے بغیر ہی وہ سب کچھ تعلیم دی جہاں اولین و آخرین کے علوم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ تاکہ آئندہ کسی معترض کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ آپ نے کتب سابقہ سے استفادہ فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ بھی قراءت و کتابت سے عاری اور آپ کی طرح اُمی تھی۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ وہی خالق کائنات ہے جس نے ان پڑھ اُمیوں میں ایک رسول کو بھیجا جو وہ خود بھی انھیں میں شامل ہیں ان کو کتاب اللہ کی آیات زبانی پڑھ سُناتے اور ان کا تزکیۂ نفس فرماتے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت الٰہیہ کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔" آپ کے صحابۂ کبار اور رفقائے کار کا وصف بھی عموماً یہی تھا کہ وہ بھی اُمی تھے۔ اور کتب سابقہ میں ان کی نشانی ہی یہ بتلائی گئی تھی: صدورھم اناجیلھم۔ ان کے سینے آیات اللہ کے گنجینے اور خزینے ہیں۔" یہ وصف نہ صرف صحابۂ کرام کا رہا بلکہ تابعین و اتباع تابعین اور ان کے مابعد آنے والوں میں بھی

صدیوں یہ وصف نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا۔ جو صرف کتاب اللہ ہی کے حافظ نہیں بلکہ سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں احادیث شریفہ کے حفاظ تھے۔ فی زمانا بھی حفاظ قرآن کریم کی کمی نہیں۔ یہ امۃ مرحومہ کی مختصہ فضیلت ہے جس کی نظیر امم سابقہ میں نہیں مل سکتی۔

خط وکتابت کی ابتدا کہتے ہیں کہ علم خط وکتابت سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو آپ کی وفات شریف سے تین سو سال پیشتر دیا گیا۔ یہ خط عربی اور سریانی تھا۔ آپ نے گیلی مٹی کی تختیوں پر لکھا۔ پھر ان کو جلایا۔ جب وہ تختیاں جل کر پختہ ہوگئیں تو ان کو دفن فرما دیا۔ بعد کو یہ تختیاں حضرت ادریس علیہ السلام کو ملیں۔ پھر ان پر جو نقوش اور خطوط تھے ان کی اشاعت ہوئی۔ ان کو دیکھ کر دوسرے تمام خطوط اور نقوش ایجاد ہوئے اور ہر زبان کا ایک رسم الخط بنا۔ تمام انبیاء علیہم السلام بھی خط وکتابت سے واقف تھے۔ یہ صرف حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ و کمال ہے کہ قراءت وکتابت سے بے نیاز رہ کر بھی ایک گروہ عظیم کو تعلیم دی اور آپ کے تعلیم یافتہ تمام دنیا کے معلم بنے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

خلاصہ بیان بہرحال ان ابتدائی آیات کریمہ میں یہ امر یاد رکھنے کے قابل

ہے کہ انسان کی ابتدا علق یعنی بستہ و منجمد خون ہے جس کی کوئی وقعت اور قدر و قیمت نہیں۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ گنجینۂ علوم و فنون، اور خزینۂ معارف و حکم ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا اور جس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ مرتبہ قراءت و کتابت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگلوں سے استفادہ اور پچھلوں کے افادہ کا یہی ایک اہم ذریعہ ہے۔ حکماء لکھتے ہیں:- العلم صید والکتابۃ قید۔ علم ایک بہترین شکار ہے۔ اور کتابت اس کو اپنے قابو میں لانے کا ذریعہ۔" اگر قلم نہ ہوتا تو ہم سابقین کے علوم و فنون سے نہ کچھ استفادہ کر سکتے تھے اور نہ آنے والی نسلوں کے لئے علمی یادگار چھوڑ سکتے۔ عمارات بھی یادگار ہیں مگر ایک جگہ کھڑی ہوئی اور خط وہ یادگار ہے کہ جہاں چاہیں لیجائیے۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم۔

96-6
كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ○ 96-7
اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ○ 96-8
اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ○ ہاں ہاں، بے شک۔ آدمی سر چڑھتا ہے اس پر کہ دیکھ لیا اپنے کو تونگر۔ بے شک تیرے رب کی طرف ہی پھرنا ہے۔"

آیات بالا کی تفسیر | انسان کی عادت ہے کہ جہاں اس کی بدحالی دفع ہوئی

اور فقر و فاقہ جاتا رہا اور اس کی جگہ تونگری اور غنا لے لی تو وہ غرور اور تکبر کی راہ اختیار کرتا اور سرکش بن جاتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ ہر ایک کو اپنے پروردگار یا لنہار کی طرف پلٹ کر جانا اور اس کو مُنہ دکھانا ہے۔ اگر شیخی اور سرکشی اختیار کریگا تو اس سے خداوند تعالیٰ ناراض ہوگا۔ کیونکہ غرور انسان کو ذلیل کرتا اور ذلت کے گڑھے میں جھونک دیتا ہے۔ انسان ایسا کام کیوں کرے جس کا انجام ذلت و رسوائی اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی و بربادی ہو۔ اگر وہ اس کے برخلاف تواضع و انکسار سے کام لیتا اور اللہ سبحانہ کی دی ہوئی نعمت کا دل سے شُکر کرتا اور زبان سے اس کا اقرار کرتا اور اپنے اعضاء و جوارح سے وہ کام لیتا جس میں پروردگار کی رضا و خوشنودی ہو۔ یعنی ہر ہر نعمت کو اس کے محل پر صرف کرتا تو یہ صورت اس کے لئے کہیں بہتر ہو سکتی تھی۔ مگر ایسی توفیق ان ہی کو ہوتی ہے جن کو اپنے پروردگار سے ملنے اور اس کو ایک دن منہ دکھانے کا یقین ہو۔ رہا وہ جو اس کا منکر ہے اس کے ایسے نصیب کہاں۔ ایسے منکر کو نعمت کیا ملی کہ اس کے حق میں وبالِ جان بن گئی۔

موجودہ حالات پر ایک نظر موجودہ حالات پر نظر کیجئے کہ اللہ سبحانہٗ نے ایسی اقوامِ عالم کو بھی حکومت سے سرفراز فرمایا جو پشتہا پشت سے محکوم

بلکہ غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آج ان کی حکومتیں ہیں دولت سے مالامال ہیں مگر ان کے طرز حکمرانی کا جائزہ لیجئے تو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کی ہوئی ہیں۔ آیا شکر و سپاس گزاری کا۔ یا کفران نعمت اور ناشکری کا؟ ان کے دائرۂ حکومت میں جو لوگ ہیں وہ کس حال میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آیا امن و چین کا۔ یا پریشانی اور اضطراب کا؟ آسمان سے پانی برس رہا ہے۔ زمین برابر اگا رہی ہے۔ ہوا چل رہی ہے۔ آفتاب نکل رہا ہے اور وقت پر غروب ہو رہا ہے۔ قدرت کے سارے کام برابر انجام پا رہے ہیں پھر یہ سراسیمگی اور ہیجان کیوں ہے؟ اس کے متعلق جو بھی تاویلات اور توجیہات کی جائیں وہ محض دعوی ہی دعوی ہوگا مگر بے دلیل۔ جواب یہی ہے: ـــ ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔ بے شک انسان سرچڑھتا ہے جب اس نے خود کو دیکھا کہ وہ مستغنی ہو چکا ہے" فقر و فاقہ کی جگہ غنا و تونگری اسکو اسلئے نہیں دیگئی تھی کہ وہ کبر و غرور میں گرفتار ہو اور اپنے منعم حقیقی جل جلالہٗ ہی کا انکار کرے یا اس کو بھول جائے بلکہ اسلئے تونگر بنایا گیا تھا کہ وہ حق کو پہچانے اور بندگان خدا کی خدمت کرے۔ آخر پر اس کبر و نخوت کا علاج تجویز فرمایا جا رہا ہے: ـــ ان الی ربک الرجعیٰ۔ اے غافل انسان! اس امر کو یقین جان کہ ایک دن تجھکو اپنے پروردگار حقیقی کے دربار میں حاضر ہونا اور اس کو منہ دکھانا ہے"

اگر یہ ایک نکتہ انسان کے پیش نظر رہے خواہ وہ فرد ہو یا جماعت، قوم ہو یا حکومت تو ممکن نہیں کہ اللہ سبحانہ کی دی ہوئی نعمتوں سے ممتنع ہو کر اس کا انکار کرے یا اس کی یاد فراموش کر جائے۔ اے نادان انسان! یہ دولت و حکومت اور یہ بادشاہت و شہنشاہت آج کی نئی پیداوار نہیں ہے بلکہ دنیا جب سے آباد ہوئی ہے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ ان میں منکر اور ناسپاس بھی تھے اور شکر گزار فرمانبردار بھی تھے۔ نہ وہ دور رہا اور نہ یہ رہے گا قیام و دوام کسی کو بھی نہیں لیکن فرمانبردار فرمانبردار رہے اور نافرمان نافرمان۔ ہر ایک کو اپنے کئے کی جزا ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔ آگے انسان کو اختیار ہے جو راہ چاہے اختیار کرے مگر اس کی جزا کا منتظر رہے۔

شانِ نزول مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی پانچ آیات تو سب سے پہلے نازل ہوئیں پھر تین سال کے بعد اس سورت شریفہ کی باقی آیات اتاری گئیں۔ ابتدائی حصہ میں علم کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی۔ یہاں مال کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ مال اگرچہ فی نفسہ مذموم نہیں کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کی عطا ہے۔ لیکن جب انسان اس کو اللہ کی عطا نہ سمجھے بلکہ اپنی محنت اور کسب کا نتیجہ خیال کرے تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔ مفسرین کرام نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:۔

کلا ان الانسان لیطغیٰ سے آخر سورۃ تک آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس کی عادت تھی کہ جہاں اس کو کچھ مال ہاتھ لگ جاتا تو لباس سواری کھانے پینے میں تکلفات شروع کر دیتا اور اس کا تکبر و غرور بڑھ جاتا۔ حالاں کہ انسان کی حقیقت اتنی ہے کہ وہ جمے ہوئے خون سے بنا، پیدا ہوا تو جاہل محض تھا خدا تعالیٰ نے علم دیا۔ مگر وہ اپنی حقیقت یاد نہیں رکھتا۔ ذرا سی دولت مل گئی تو شان بتلانے لگا اور اپنے منعم حقیقی کو ہی فراموش کر دیا۔ پھر جو دولت حاصل ہوئی اس کو اپنی محنت کا نتیجہ جانا۔ یہاں اسی نکتہ کی طرف ایماء ہو رہا ہے۔

ابوجہل کا ایک مطالبہ روی ان ابوجهل قال لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اتزعم ان من استغنیٰ طغیٰ فاجعل لنا جبال مکۃ ذهبا وفضۃ لعلنا ناخذ منها فنطغیٰ فندع دیننا ونتبع دینك فنزل جبرئیل علیه السلام فقال ان شئت ذلك ثم ان لم یؤمنوا فعلنا بهم ما فعلنا باصحاب المائدۃ فکف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الدعاء ابقاء علیهم۔ (روح المعانی) روایت ہے کہ ابوجہل نے (ان آیات کریمہ کو سن کر) حضرت رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ کیا آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ جو کوئی مستغنی اور تونگر ہو جاتا ہے تو وہ

سرکشی پر اتر آتا ہے۔ اچھا اگر ایسا ہے تو مکہ کے ان پہاڑوں کو ہمارے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ بنا دیجئے تاکہ ہم ان سے خوب مستفید ہو کر سرکشی کرنے لگیں پھر اپنے دین کو چھوڑ کر آپ کے دین کا اتباع کیا کریں۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضور سے عرض کیا اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم ایسا ہی کئے دیتے ہیں یعنی مکہ کے تمام پہاڑوں کو سونے چاندی کے پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ پھر بھی اگر یہ کفار ایمان نہ لائیں تو ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو مائدہ والوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی دعا سے رک گئے محض اس لئے کہ یہ کفار ہلاک و برباد نہ ہو جائیں، بلکہ ابھی دنیا میں باقی رہیں۔ یہاں حضور رحمۃ للعالمین کی شفقت ملاحظہ ہو کہ عذاب الٰہی کے ذریعے کفار کی تباہی تک گوارا نہیں ہو رہی ہے

دو بھوکے جو کبھی سیر نہیں ہوتے

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ منہومان لا یشبعان صاحب علم و صاحب دنیا ولا یستویان، فاما صاحب العلم فیزداد رضا الرحمان ثم قرأ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء، واما صاحب الدنیا فیتمادی فی الطغیان ثم قرأ ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی۔ (عبد بن حمید ابن المنذر ابن ابی حاتم)

دو بھوکے ہیں جن کو کبھی سیری حاصل نہیں ہوتی۔ ایک صاحب علم اور دوسرا دنیادار
لیکن یہ دونوں ایک درجے میں نہیں ہو سکتے۔ جو صاحب علم ہے (اگرچہ وہ تحصیل علم
سے کبھی فارغ نہیں رہ سکتا ہمیشہ اس کی دھن میں رات دن لگا رہتا ہے) تو وہ
ہر دم و ہر آن خدائے رحمان کی رضامندی اور خوشنودی کا سامان کرتا رہتا ہے۔
پھر اس کے ثبوت میں یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔) اللہ
سبحانہ کی خشیت اس کے بندوں میں سے صرف علماء کو نصیب ہوتی ہے۔ (کہ جس کا
علم زیادہ اس کی خشیت زیادہ) رہا دنیادار (دنیا طلبی سے اس کا پیٹ بھی کبھی
نہیں بھرتا اگر اس کو دنیا جیسی جیسی ہاتھ لگتی ہے) اس کی سرکشی اور شرارت بھی
بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے ثبوت میں حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی
(جس کا مطلب یہ ہے کہ :۔) انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو
دیکھتا ہے کہ دولت مند ہو گیا ہے۔"

مضمون بالا کی تائید قرآن کریم میں دوسری جگہ اس مضمون کو یوں ادا فرمایا
گیا ہے :۔ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل
بقدر ما یشآء۔ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے (رزق کے
دروازے کھول دے اور) کھل کر رزق دیتا جائے تو وہ زمین میں بغاوت

پھیلانے لگیں لیکن اللہ سبحانہ رزق کو اپنی مشیت کے مطابق ایک اندازے سے اتارتا رہتا ہے" کہ وہ بھوکے مرنے بھی نہ پائیں اور بغاوت و سرکشی پر بھی نہ اتر آئیں" فی زمانہ دولتمندوں کو دیکھئے اور ان کے حالات سے سبق حاصل کیجئے کہ ایک ایک بات کس طرح حرف بحرف صادق ہے؟

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝ أَرَأَيْتَ 96-9 96-1
إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝ أَرَأَيْتَ إِن 96-11 96-
كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝ بھلا دیکھو تو جو 96-14

منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ بھلا دیکھو تو اگر ہوتا نیک راہ پر یا حکم کرتا پرہیزگاری کے کام۔ بھلا دیکھو تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا۔ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔"

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر ان آیات کے متعلق بھی مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جن میں ارشاد ہو رہا ہے أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ سے نبی کریم! اس کو بھی دیکھئے کہ خود تو دین حق قبول کر کے نماز کیا پڑھتا ایک بندہ جس پر بندگی ختم اور قبائے بندگی جس پر پوری طرح چست ہے ایسی بندگی کہ اس کا کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں ہوتا اور تمام بندگان خدا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایسا عبد کامل و اکمل جب نماز پڑھتا ہے تو اس کو یہ نماز سے روکتا ہے۔ نماز کیا ہے۔ بندے کے اپنے رب سے ربط قائم کرنے کا ذریعہ اور اس سے قریب تر ہو کر راز و نیاز مناجات اور سرگوشی کرنے کا وسیلہ۔ ایسی عبادت سے روکتا ہے جس طرح نماز جیسی عبادت کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی اور عبد کامل و اکمل کی کنہ اور حقیقت تک ما و شما کی رسائی نہیں ہو سکتی اس سے ایسے بندے کو منع کرتا ہے تو ایسے مانع خیر کی مذمت و شناعت اور اس کے جہل و حماقت کا کیا حال ہوگا؟

ابوجہل کا نماز سے روکنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فجاءہ ابوجہل فنھاہ۔ (ابن جریر)

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کعبۃ اللہ شریف کے سامنے) نماز ادا فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابوجہل لعین آیا اور آپ کو وہاں نماز ادا کرنے سے منع کر دیا۔" لیکن اس کے روکنے سے آپ کب رکنے والے تھے؟ آپ نے وہاں حسب عادت نماز پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ دوسری دفعہ پھر آیا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فجاءہ ابوجہل فقال الم انھاک عن ھذا الم انھک

عن هذا فانصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فزبرہ فقال ابوجہل انک لتعلم ما بہا رجل اکثر نادیا منّی۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیحہ ابن المنذر، ابن جریرؒ طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم بیہقی) حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نماز ادا فرما رہے تھے کہ ایسے میں ابوجہل لعین آیا اور کہنے لگا کیا میں نے آپ کو اس کام سے منع نہیں کیا تھا۔ کیا میں نے آپ کو اس سے روکا نہیں تھا؟ یہ سن کر حضور نبی دوجہاں علیہ صلوات الرحماں اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو جھڑک دیا۔ اس پروہ (برافروختہ ہوکر) کہنے لگا آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس سرزمین میں مجھ سے زیادہ اور کسی کی جماعت نہیں ہے۔" مطلب یہ کہ اگر آپ نماز پڑھنے سے باز نہ آئیں گے تو میں اپنے احباب اور رفقائے کار کی جماعت سے کام لوں گا۔

ابوجہل لعین کے منصوبے اس کے بعد ابوجہل کمال رعونت وخشونت سے غائبانہ کبھی تو یہ کہتا:۔ لئن رأیت محمّدا یصلی عند الکعبۃ لاطان عنقہ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر، ابن مردویہ، ابن المنذر، ابونعیم بیہقی) اگر میں آئندہ جب کبھی محمدؐ کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لوں گا تو (العیاذ باللہ) پاؤں رکھ کر گردن کچل ڈالوں گا۔" اور کبھی یوں بڑھ ہانکتا جیسا کہ حضرت

ابوہریرہؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:۔ ھل یعفر محمد وجھہ بین اظھرکم فقیل نعم فقال واللات والعزی لئن رأیتہ یفعل لاطأن علی رقبتہ ولاعفرن وجھہ فی التراب۔ (ابن المنذر) (ابوجہل لعین نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا) کیا محمدؐ تمہارے سامنے تمہارے موجود رہتے ہوئے اپنا چہرہ زمین پر رکھا کرتے اور اپنی پیشانی کو خاک آلود کرتے رہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں ایسا کیا کرتے ہیں۔ اس خبیث لعین فی النار والسقر نے کہا۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر ایسا کرتے ہوئے میں ان کو دیکھ لوں تو پاؤں سے ان کی گردن کچل ڈالوں گا اور ان کے چہرے کو مٹی میں چھپا دوں گا۔"

حضور انورؐ کا جواب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے کمال بے پرواہی سے فرمایا:۔ لو فعل لاخذتہ الملائکۃ عیانا (عبدالرزاق، عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر) (ابوجہل کی کیا مجال ہے کہ ایسا کرے) اگر بالفرض اس نے ایسا کرنا چاہا اور ذرا سی حرکت اس سلسلہ میں کی تو فوراً اللہ سبحانہ کے فرشتے دیکھتے دیکھتے اس کو گرفتار عذاب کرلیں گے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ واللہ لو دعا نادیہ لاخذتہ زبانیۃ اللہ۔ (ابن ابی شیبہ امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیح) خدا کی قسم! اگر ابوجہل (حضورؐ کے مقابلہ کے لئے)

اپنی مجلس کے لوگوں کو بلا لیتا تو زبانیۃ اللہ (اللہ سبحانہ کی دوزخ کے فرشتے) فی الفور اس کو گرفتار کر لیتے۔" دوسری دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے یوں فرمایا:۔

واللہ لو تحرك لاخذ تہ الملائکۃ والناس ینظرون الیہ (ابن جریرؒ طبرانیؒ ابو نعیمؒ) "قسم بخدا! اگر ابو جہل اس سلسلہ میں ذرا بھی حرکت کرتا تو فرشتے اس کو فوراً گرفتار کر لیتے درحالیکہ سب لوگ اس گرفتاری کو علانیہ دیکھ رہے ہوتے۔"

ایک واقعہ احادیث شریفہ میں ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل لعین آپ کو بحالت نماز دیکھ کر بُرے ارادے سے بڑھا تھا کہ ساتھ ہی پچھلے پاؤں لوٹ کر بھاگ اٹھا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی لیطأ علی رقبتہ قال فما فجئھم منہ الا وھو ینکص علی عقبیہ ویتقی بید یہ فقیل لہ مالك قال ان بینی وبینہ خندقا من نار وھولا واجنحۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو دنا منی لاختطفتہ الملائکۃ عضوا عضوا قال وانزل اللہ کلا ان الانسان لیطغی الی آخر السورۃ یعنی ابا جھل فلیدع نادیہ یعنی قومہ سندع الزبانیۃ یعنی الملائکۃ۔ (امام احمدؒ مسلمؒ نسائیؒ ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن مردویہؒ ابو نعیمؒ بیہقیؒ) چنانچہ ابو جہل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا

درحالیکہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے چاہتا تھا کہ سوءِ ادبی کرے ۔ راوی کا بیان ہے کہ لعین کا آگے بڑھنا ہی تھا کہ وہ پچھلے پاؤں لوٹنا شروع کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے جو اپنا بچاؤ کرتا ہوا پچھلے پاؤں لوٹ کر آ رہا ہے (آگے بڑھتا کیوں نہیں ؟) کہنے لگا کہ میرے اور ان کے درمیان دہکتی آگ کی ایک خندق ہے اور پر و بال والی ایک ڈراؤنی مخلوق حائل ہے ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک جزو الگ کر دیتے ۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس وقت یہ آیات کلا ان الانسان سے آخر سورت تک نازل ہوئیں یہ سب ابوجہل کے بارے ہیں ہیں۔ فلیدع نادیہ میں نادیہ سے اس کی قوم مراد ہے اور زبانیہ سے فرشتے مراد ہیں ۔"

آیات صدر کی تفسیر | ارأیت ان کان علی الھدی او امر بالتقوی ارأیت ان کذب وتولی۔ ان آیات کریمہ کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ۔ایک یہ ارأیت ان کان اور امر کی ضمیروں کا مرجع عبد کو قرار دیا جائے ۔ اور الذی ینھی اور کذب وتولی کی ضمیروں سے ابوجہل مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت قتادہؓ مذکورۃ الصدر آیات کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ نزلت فی عدو اللہ

ابی جھل وذلک انہ قال لئن رأیت محمدا یصلی لاطأن علی عنقہ فانزل اللہ ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلّی ارأیت ان کان علی الھدیٰ اوامر بالتقویٰ قال محمد ارأیت ان کذب وتولّی یعنی بذلک ابا جھل

(عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن جریر، ابن المنذر)۔ یہ آیات کریمہ دشمن خدا ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وہ اس طرح کہ اس لعون نے کہا تھا کہ اگر میں آئندہ محمدؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لوں گا تو....... انھیں گستاخانہ کلمات کو دہرایا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:۔ ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلّی

بھلا دیکھو تو اس مردود کو جو منع کرتا ہے عبد (کامل و اکمل) کو جبکہ وہ نماز میں مشغول ہو" (یہاں الذی ینھی سے ابوجہل مراد ہے) اور یہ آیات بھی نازل ہوئیں:۔ ارأیت ان کان علی الھدیٰ اوامر بالتقویٰ قال محمد

بھلا دیکھو تو کہ اگر وہ عبد کامل و اکمل خود بھی راہ راست پر قائم اور دوسروں کو تقوی و پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو" حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے حضرت محمدؐ مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں" اور یہ آیات بھی اتاری گئیں:۔ ارأیت ان کذب وتولّی الم یعلم بان اللہ یریٰ یعنی بذلک ابا جھل بھلا دیکھو تو کہ اگر یہ نماز سے روکنے والا خدا اور رسول کو

جھٹلاتا اور ان کی اطاعت و فرماں برداری سے روگرداں ہو رہا ہو۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ سبحانہ سب کچھ دیکھ رہا ہے" اس سے ابوجہل لعین مراد ہے"۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ اس تفسیر کی صحت میں کلام نہیں کیونکہ سلف صالحین سے مروی ہے مگر یہاں انتشار ضمائر ہے۔ یعنی ایک ہی سلسلہ کلام میں پہلی دو آیات سے ابوجہل اور دوسری دو آیات سے حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آخری دو آیات سے پھر ابوجہل مراد لیا جا رہا ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ ان تمام آیات میں ابوجہل ہی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں انتشار ضمائر نہ ہوگا اور پورا کلام ابوجہل ہی کے باب میں ہوگا۔ یہ تفسیر بھی سلف سے مروی ہے اس لئے ہم نے ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا ہے۔ اس اعتبار سے ارأیت ان کان علی الھدیٰ او امر بالتقویٰ کی تفسیر یوں ہوگی؟ بھلا دیکھو تو اگر یہ ابوجہل خود بھی راہ راست پر آتا یا تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم اپنی جماعت کو دیتا تو اس کے حق میں کیا ہی اچھا ہوتا کہ خود بھی نجات پاتا اور دوسروں کی نجات کا بھی ذریعہ اور سبب بنتا۔ مگر اس شقی ازلی کے ایسے نصیب کہاں۔ اس کو تو دوزخ کا ایندھن بننا ہے" اسی لئے اس کو ایسی بری تدبیریں سوجھ رہی ہیں اور ایسے ناشائستہ کلمات

اس کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں: "انزل اللہ
کلا ان الانسان لیطغی الی آخر السورۃ یعنی ابا جھل۔ (امام احمد، مسلم،
نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کلا
ان الانسان لیطغی سے آخر سورت شریفہ تک تمام آیات کریمہ جو نازل فرمائی
ہیں ان سے ابوجہل ہی مراد ہے۔" 96-15 96-16

15. كَلا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ 16. نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ 96-17 96-18
خَاطِئَةٍ 17. فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ 18. سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ 19. كَلا لا 96-19
تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

کچھ نہیں اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم گھسیٹ لائیں گے چوٹی پکڑ کر کیسی چوٹی؟
جھوٹی خطا کار اب وہ بلا لائے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی ابھی بلاتے ہیں پیادے
گرفتار کرنے والے کچھ نہیں نہ مانو اس کا کہا اور سجدہ کیجئے اور نزدیک
ہوتے جائیے۔"

آیات صدر کی تفسیر ان آیات کریمہ سے پہلے جو تفسیر عرض کی گئی ہے اس سے
معلوم ہو چکا ہے کہ مردود ابوجہل نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر کبھی حضور انور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھے گا تو
بحالت سجود سخت ترین گستاخی و سوءِ ادبی کر گزریگا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے

یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں کہ اس سے ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا ابوجہل کی خیر اسی میں ہے کہ وہ اپنے فاسد خیال خام سے باز آجائے۔ اگر وہ باز نہ آئیگا تو ہم اس وقت خاموش تماشائی بنے ہوئے نہیں رہیں گے۔ ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹ لائیں گے۔ پیشانی بھی کیسی جس کا بال بال خطا وار ہے۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں کی کثرت پر ناز کر رہا ہے۔ اچھی بات ہے وہ اپنے ہم خیال کفار کو بلا لائے۔ ہم بھی اپنے پیادے بھیج دیتے ہیں جو اسے چشم زدن میں گرفتار کر لائیں گے۔ پھر دیکھئے کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتا ہے یا ذلت و رسوائی کیساتھ گرفتار کر کے ہمارے حضور میں جواب دہی کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ابوجہل کی ایک نہیں چل سکتی۔ آپ اس کی لاف زنی کا کچھ خیال نہ کیجئے اور اس کی ایک نہ مانئے اس کے علی الرغم ہمارے آگے سجدہ کیجئے اور ہم سے قریب ہوتے جائیے۔

حضرت عباسؓ کی ایک روایت چنانچہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ کنت یوماً فی المسجد فاقبل ابوجھل فقال ان للہ علیّ ان رأیت محمدا ساجدا ان اطأ علی رقبتہ فخرجت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی دخلت علیہ فاخبرتہ بقول ابی جھل فخرج غضبانا حتی جاء المسجد فعجل ان یدخل الباب فاقتحم الحائط

فقلت ھذا یوم شر فاتزرت ثم تبعته فدخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
علیہ وسلم یقرأ اقرأ باسم ربک الذی خلق فلما بلغ شان ابی جھل
کلا ان الانسان لیطغی قال انسان لابی جھل یا ابا الحکم ھذا محمد
فقال ابوجھل الا ترون ما اری واللّٰہ لقد سد افق السماء علی
فلما بلغ رسول اللّٰہ علیہ وسلم آخر السورۃ سجد۔ (بزار، طبرانی، حاکم بروایت
صحیحہ، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) میں ایک دن خانہ کعبہ کے پاس مسجد حرام میں تھا کہ
اتنے میں ابوجہل آیا اور کہنے لگا کہ میں اللہ کے لئے یہ منت مانتا ہوں کہ اگر محمدؐ
کو یہاں کبھی سجدہ کرتے دیکھ لوں گا تو ان کی گردن کچل ڈالوں گا۔ یہ سنتے ہی میں
حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فوراً روانہ ہوا تا آنکہ میں
آپ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو ابوجہل کی اس بات سے باخبر کر دیا۔ یہ سماعت
فرما کر آپ نہایت برافروختہ ہو کر اسی وقت مسجد حرام کا قصد فرمایا اور جلدی
سے دروازے سے ہوتے ہوئے حرم شریف میں رونق افروز ہو گئے۔ میں نے
اپنے دل میں کہا کہ یہ شر انگیز دن ہے۔ میں بھی آپ کی حمایت کے لئے مستعد ہو گیا
اور آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لائے (اور نماز
شروع فرما دی) اور اس میں سورۂ اقرأ کی تلاوت فرمانے لگے۔ اس سورت شریف میں

جب ابوجہل کا بیان کلا ان الانسان لیطغیٰ سے آغاز ہوا تو ایک شخص نے ابوجہل سے کہا۔ اے ابوالحکم[ؑ] ! یہ محمدؐ ہیں۔ ایسا کہنے سے مقصد یہ تھا اے ابوجہل ! تو نے کہا تھا کہ اگر محمدؐ کو پھر کبھی سجدہ کرتا دیکھوں گا تو ان کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کروں گا۔ اب وہ آچکے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا۔ کیا تم وہ کچھ نہیں دیکھتے جو میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کی ساری فضا (ایک ہیبت ناک مخلوق سے پُر ہے اور) مجھ پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہے۔ اسی عالم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سورۃ اقرأ کی تلاوت فرماتے ہوئے جب آخر سورۃ شریفہ پر پہنچے تو سجدۂ تلاوت ادا فرمایا۔ جو نماز کے سجدوں کے علاوہ تھا۔

کلا لا تطعہ کی تفسیر

کلّا ۔ لا تُطِعۡهُ وَ اسۡجُدۡ وَ اقۡتَرِبۡ ۔ کچھ نہیں

ع (یہ ابوجہل کی کنیت ہے۔ کفار قریش اس کو اپنا سردار مانتے تھے اسلئے اس کو ابوالحکم یعنی حکمتوں اور دانائیوں والا کہہ کر پکارتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں اس کی ہر تدبیر اُلٹی پڑتی جارہی ہے تو اس سے برگشتہ ہو کر ابوجہل اسکی کنیت قرار دی یعنی حکمتوں سے بھرا ہوا تو نہیں ہے بلکہ سرتاپا جہل ہی جہل ہے یعنی جہل اور حماقت کا پُتلا)۔

(اے نبی کریم !) آپ اس کی ایک نہ مانئے۔ اور (اس کے علی الرغم اپنے پروردگار کے آگے) سر بہ سجود رہا کیجیے"۔ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوجہل کی یہ تہدید و تخویف آمیز گفتگو کو سماعت فرما کر بارگاہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ میں عرض کیا کہ مجھے آئندہ کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ یہ مردود مجھے اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہونے سے بھی روکنا چاہتا ہے۔ تو ارشاد ہوا کہ وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ آپ اس کی ایک بات بھی نہ سنیں اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں۔ اور اپنے رب کے حضور میں برابر سجدہ کرتے رہیں اور اسی سجود خاص کے ذریعہ اس کے تقرب کے منازل و مراحل طے کئے جائیں" بارگاہ رب العزت سے جب یہ مژدہ جانفزا ملا تو آپ کو یوں بھی ابوجہل اور اس کے ہم خیال لوگوں کی کچھ پرواہ نہ تھی اب تو کھلے بندوں سب سے نڈر ہو کر روز روشن میں کفار کے مجمع میں اور ابوجہل کی موجودگی میں، خانہ کعبہ تشریف لائے۔ علانیہ نماز ادا فرمائی۔ نماز کی ہر رکعت میں دو دو سجدے تو ہوا ہی کرتے تھے۔ اس کے سوا مزید ایک سجدہ ادا فرمایا جس کو سجدہ تلاوت کہا جاتا ہے۔

سجدۂ تلاوت کا حکم | سجدۂ تلاوت عند الاحناف قاری اور سامع پر واجب ہے۔ کیونکہ اس بارے میں صیغہ امر وارد ہوا ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر سجدہ ادا فرمایا ہے۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔ انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سجد فی اذا السماء انشقت واقرأ (مسلم شریف) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ اذا السمآء انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ ادا فرمایا" اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے کیوں کہ حضور لامع النورؐ نے اس پر مداومت فرمائی ہے رہا صیغہ امر جو اس باب میں وارد ہوا ہے اس سے نماز مراد ہے یہاں جزو کہہ کر کُل مراد لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سجدے کی فضیلت حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے فرمایا:۔ اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء۔ (مسلم شریف) اپنے پروردگار سے بندہ جو زیادہ تر قریب ہوتا ہے اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ کر رہا ہو۔ لہذا اس حالت سجدہ میں کثرت سے دعائیں کیا کرو" تاکہ وہ مستجاب ہوا کریں۔ اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ ان سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ علیك بکثرۃ السجود فانہ لا تسجد للہ تعالی سجدۃ الا رفعك اللہ بھا درجۃ وحط عنك بھا خطیئۃ۔ سجدے بکثرت ادا کرنے کو لازم جانو

کیونکہ جب کبھی تم اللہ سبحانہ کے آگے سجدہ کروگے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اسکی بدولت تمھارا ایک درجہ بلند کرے گا اور اس کے طفیل میں تمھارا ایک گناہ اتار دیا جائیگا۔ عندالاحناف یہاں سجدے سے نفل نماز مراد ہے کہ ایک دوگانے سے ایک ایک درجہ بلند ہوتا اور ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ دیگر ائمہ کے پاس سجدہ ہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ایک واقعہ

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ سورۂ الرحمٰن نازل ہوا تو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اصحاب کبار سے دریافت فرمایا کوئی ہے جو اس سورت شریفہ کو روسائے قریش کی مجلس میں سنا آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آمادگی ظاہر کی۔ اور کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس وجہ سے کہ وہ کمزور و ناتواں تھے اور قد بھی بوٹا سا تھا۔ وہاں قوی الجثہ طاقتور آدمی کی ضرورت تھی۔ پھر فرمایا کوئی ہے جو روسائے قریش کو سورۂ الرحمٰن سنا آئے۔ اس نوبت پر بھی سب خاموش تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ ہی نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس پر بھی آپ خاموش رہے۔ پھر فرمایا کوئی ہے جو سورۂ الرحمٰن اکابر قریش کو پڑھ سنائے۔ پھر بھی حضرت ابن مسعودؓ ہی نے خود کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تم ہی جاؤ۔

چنانچہ آپ خانہ کعبہ حاضر ہوئے اور کفار قریش کے مجمع میں سورۂ الرحمٰن کی تلاوت کی۔ اس وقت ابوجہل لعین نے بڑے طیش میں آکر حضرت ابن مسعودؓ کو ایک طمانچہ رسید کیا۔ اور گوشمالی دیکر کان پھاڑ دیا جس سے آپ لہولہان ہوگئے۔ اور روتے ہوئے دربار اقدس میں حاضر ہوئے۔ ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہنستے ہوئے نازل ہوئے۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ ابن مسعودؓ رو رہے ہیں اس وقت آپ کے ہنسنے کا کیا محل ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:۔ ستعلم۔ آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔" جب غزوۂ بدر ہوا اور قریش ہزیمت خوردہ ہوکر بھاگ گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بحکم نبویؐ زخم خوردہ کفار کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ ابوجہل پر نظر پڑی کہ زخمی ہوکر پڑا ہوا خُرخُر کر رہا ہے۔ آپ نے اپنا برچھا اس کی ناک پر رکھ کر دبایا۔ اور سر کاٹنے کے لئے سینہ پر بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آنکھ کھولی۔ اور آپ کو پہچان لیا۔ اور حقارت سے کہنے لگا:۔ لقد ارتقیت مرتقی صعبا یارویعی الغنم۔ اے بکریاں چرانے والے چھوٹے چرواہے! آج تو بڑے دشوار گزار مقام پر چڑھ آیا۔" حضرت ابن مسعودؓ نے برجستہ جواب دیا:۔ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ اسلام ہی سربلند رہتا ہے اس کے مقابلے میں کسی کی تعلی چل نہیں سکتی۔"

پھر اس کا سر کاٹ کر لے جانا چاہا تو وہ آپ سے اٹھ نہ سکا آپ نے اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں ڈوری ڈال دی اور گھسیٹتے ہوئے دربار اقدس میں لے آئے۔ سر کاٹا جا رہا تھا تو اس وقت بھی ابوجہل لعین نے یہ کہا: ــــ بلّغ صاحبك انه لم یکن احد ابغض الیّ منه فی حال حیاتی اپنے آقا کو یہ سنا دینا کہ میرے مرنے کی حالت میں بھی ان سے بڑھ کر مجھے اور کسی سے اتنا بغض و عناد نہیں ہے" بہرحال جب حضرت ابن مسعودؓ ابوجہل کا سر کاٹ کر حضور کے قدموں پر خوشی خوشی ڈال دیا تو اس وقت بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور خوش ہو ہو کر عرض کیا: ــ یا رسول اللہ اذن باذن والرأس زیادة۔ کان کے بدلے کان اور سر اس پر مستزاد" یعنی مکہ کے اس واقعہ کو یاد دلایا جو حضرت ابن مسعودؓ کو ابوجہل کے ہاتھوں پیش آیا تھا۔ اور جس کی بابت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہنسنے کی نسبت کہا تھا ستعلم۔ آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا" پھر جب حضرت ابن مسعودؓ نے ابوجہل کا یہ آخری کلمہ سنایا کہ اب بھی حضور سے زیادہ اس کو کسی سے بغض و عناد نہیں تو ارشاد اقدس ہوا: ــ فرعونی اشدّ من فرعون موسیٰ و ھو قال آمنت وھو قد زاد عتوّا۔ میرا فرعون موسیٰ کے فرعون سے بھی

شدید تر ہے۔ اس نے ڈوبتے وقت آمنت کہا تھا۔ اور یہ اتنا اشد ہے کہ مرتے ہوئے بھی اس کی سرکشی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔“

حضرت ابن مسعودؓ کے کمزور ہونے میں حکمت

اللہ سبحانہ نے حضرت ابن مسعودؓ کو ضعیف و ناتواں بنایا اتنا کہ ابو جہل کا تن سے جدا کیا ہوا سر تک اٹھا کر نہ لا سکے بظاہر اس میں بھی خدائے حکیم کی کئی حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ابو جہل اگرچہ اپنی قوم کا سردار تھا مگر اللہ سبحانہ کی نظر میں وہ دوزخ کا کتا تھا۔ اور کتے کو اٹھا لانے کا دستور نہیں بلکہ اس کو گھسیٹ کر ہی لایا جاتا ہے۔ دوسری حکمت یہ کہ اس نے حضرت ابن مسعودؓ کا کان پھاڑ دیا تھا آج ابو جہل کے کان میں سوراخ کرکے اور اس میں ڈورا ڈال کر گھسیٹا گیا تاکہ کان کا قصاص لے لیا جائے۔ تیسری یہ کہ ابو جہل کی نسبت قرآن کریم میں جو پیشین گوئی نازل ہوئی تھی:۔ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ پیشانی کے بل گھسیٹ لائیں گے“ دنیا ہی میں اس کی تکمیل ہو جائے۔ یہاں پیشانی سے سر کے بال مراد ہیں جو سامنے کے حصے میں ہوتے ہیں۔ ابو جہل کی عادت تھی کہ وہ بالوں میں تیل ڈال کر، کنگھی کرکے، مانگ نکال کے، بڑی شان کے ساتھ نکلا کرتا جب مردود مذکور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت،

ایذارسانی اور گستاخی پر آمادہ ہوا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی یہ سزا تجویز فرمائی کہ جن بالوں کے ذریعہ وہ اپنی شان دکھاتا تھا آج وہ اس تحقیر وتذلیل کا سبب بن گئے اور وعید آئی :۔ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ پیشانی بھی کیسی ؟ جھوٹی، خطا کار" فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضورِ اکرمؐ کی دُعا اور ابوجہل کی شقاوت

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور شان رحمۃ للعالمینی ملاحظہ ہو کہ آپ نے اسی ابوجہل اور اس کے ہمشیر زادہ عمر بن خطاب کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائی تھی :۔ اللھم اید الاسلام بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب ۔ بار الہا ! اسلام کی تائید فرمایئے اور اس کو تقویت دیجئے ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ، یا عمر بن خطاب کے ذریعہ" آپ کی دعا حضرت عمر بن خطابؓ کے حق میں قبول ہوئی ۔ اور ان کے ذریعہ اسلام کی جو تقویت ہوئی وہ محتاج بیان نہیں مگر ابوجہل اپنی شقاوت ازلی کے باعث محروم ہی رہا اور ابدالآباد کے لئے مردود اور ملعون ٹھہرا۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کی دوسری تفسیر

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔ اس کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے ۔ بعض مفسرین کرام نے دوسری

تفسیر فرمائی ہے جیسا کہ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں :۔ واسجد انت یا محمدؐ واقترب انت یا اباجھل یتوعدہ ۔ (ابن ابی حاتم) اور آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ سر بسجود رہیے ۔ اور تو اے ابوجہل بڑا نزدیک تو آ۔ اس کو وعید سنائی جا رہی ہے اور ڈر بتایا جارہا ہے ۔" واللہ اعلم ۔

سورۂ اقرأ کی تفسیر ختم ہوئی ۔ وللہ الحمد ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ الطیبین واصحابہ اجمعین ۔